حدیث کے اساسی دور کا اجمالی جائزہ

* ڈاکٹر علی اصغر چشتی

قبل از اسلام کتابت کا رواج

کتابت تہذیب وتمدن اور ثقافت وحضارت کی علامت اور نشان ہے اس لیے دنیا کی تمام متمدن قومیں اس کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ اور بادیہ نشین قومیں اس سے دور رہتی ہیں۔ عرب زیادہ تر خانہ بدوشانہ زندگی گزارتے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس لیے اسلام سے پہلے اس دور کے لوگوں کو امیّین کہا گیا ہے۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کے وہ علاقے جہاں تمدن کی روشنی آ گئی تھی جیسے یمن کا خطہ، وہاں کے باشندے لکھنے پڑھنے سے کچھ واقف تھے۔ تاہم یمن میں کتابت عام طور سے مروّج نہیں تھی۔ یمن میں خواص کا طبقہ خط کی طرف مائل تھا۔ یہیں سے خط حیرہ اور انبار کے علاقوں میں منتقل ہوا اور خط جزم کے نام سے موسوم ہوا۔ ان علاقوں میں باہمی ارتباط کی وجہ سے یہ خط منتقل ہوا تھا۔ حیرہ سے خط مکہ مکرمہ میں منتقل ہوا اور یہ کام حرب بن امیہ نے انجام دیا جو اکثر وبیشتر سفر میں رہا کرتا تھا۔ اُسی کے دور میں مکہ میں خط کی ابتداء ہوئی اور قریش کے کچھ لوگوں نے لکھنا سیکھا۔ لیکن عرب کے وہ قبائل جو خانہ بدوش تھے کتابت سے بالکل نابلد رہے۔ بلکہ وہ لکھنے پڑھنے کو عار اور ذلت سمجھتے تھے اور ان کا تمام تر اعتماد قوتِ حافظہ پر تھا۔ وہ قوت حافظہ کے مالک تھے اور اسی میں بہت زیادہ ملکہ رکھتے تھے، اسی قوت حافظہ کی بدولت وہ اپنے شعراء کے ہزاروں اشعار، انساب، مفاخر، ایاّم اور واقعات کو محفوظ رکھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے تاریخ میں عرب ''احفظ الامم'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ مشیّتِ ایزدی یہی تھی کہ اسلام سے پہلے عرب میں کتابت کا سلسلہ جاری ہو جائے تا کہ نزولِ قرآن کے بعد اس کی اور سنت نبوی ﷺ کی کتابت ہو سکے۔

اسلام جب آیا اس وقت مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند لوگ لکھنا جانتے تھے جن کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے۔ ان

---

* ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

میں عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابوعبیدۃ بن الجراحؓ، طلحہ، یزید بن ابی سفیانؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابوسفیان بن حربؓ، ابوحذیفہ ابن عتبہ بن ربیعہؓ، حاطب بن عمروؓ، ابوسلمہ عبدالاسد مخزومیؓ اور بعض خواتین بھی لکھنا جانتی تھیں۔

مدینہ میں کتابت کا حال

مدینہ منوّرہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو یہاں اوس وخزرج میں کتابت کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہاں بعض یہود نے عربی کتابت سیکھ لی تھی جو پہلے زمانہ میں اہل مدینہ کے بچوں کو کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے اس وقت اوس وخزرج کے مندرجہ ذیل افراد کتابت جانتے تھے: سعد بن عبادۃ، منذر بن عمروؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیرؓ...... مؤرخ بلاذری نے مدینہ میں کتابت جاننے والوں کی تعداد گیارہ بتائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد کتابت کی طرف خاص توجہ فرمائی کیونکہ وحی کی حفاظت، شاہانِ عالم اور اہل آفاق میں رسالت کی دعوت وتبلیغ کے لیے تحریر کی بہت ضرورت تھی۔ اہل مدینہ میں کتابت کی ترویج کے لئے بھی آپ ﷺ نے توجہ مبذول فرمائی۔ بدر کی جنگ میں جتنے مشرکین گرفتار کئے گئے تھے ان میں جتنے افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لیے زرِفدیہ کے بدلہ میں آپ ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ ایک ایک قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادے۔ اور مکمل تعلیم کے بعد ان کی رہائی عمل میں آجائے گی۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور کافی تعداد میں مدینہ کے مسلمان بچوں نے کتابت سیکھ لی۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ابی بن کعبؓ کو کاتب مقرر فرمایا اور ان کی غیر موجودگی میں زید بن ثابتؓ آیات بھی لکھتے تھے اور مراسلات بھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ بھی وحی لکھنے کی خدمت انجام دینے لگے۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی آپ ﷺ کے لیے کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے جیسے خلفائے راشدین، ابان بن سعیدؓ، زید بن ارقمؓ اور حنظلہ بن ربیع۔

شیخ محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں کہ کاتبانِ وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی اور صدقات، دیون، معاملات اور مراسلات کے کاتبین اور مختلف زبانوں کے کاتب بھی تھے۔ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ مدینہ کی نو مساجد میں طلبہ قرآن مجید اور تعلیمات اسلام کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے اور معلمین جو اوائل اسلام میں تعلیم دیتے تھے ان میں سعد بن ربیع خزرجی جو بارہ نقباء میں ایک تھے کے علاوہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ اور ابان بن سعید بن العاص تھے۔ یہ سب بغیر اُجرت کے تعلیم دیتے تھے۔ ان مساجد کے علاوہ بھی مدارس اور مکاتب تھے جہاں قرآن کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی کتابت کھال کے ٹکڑوں، باریک چکنے پتھروں، درخت اور کھجور کی چوڑی شاخوں اور اونٹ کی چوڑی پسلیوں پر ہوتی تھی۔

کتابتِ حدیث کی ممانعت

قرآن کریم کی آیات کی کتابت ابتدائے نزول سے برابر تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن حدیث کی کتابت ہجرت سے پہلے اور پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد ایک عرصہ تک ممنوع کر دی گئی تھی۔ سوائے ان احکام، عہد ناموں اور مراسلات کے جو آپ ﷺ کے حکم سے لکھوائے جاتے تھے جیسے یہودِ مدینہ کے درمیان عہد نامہ، حدیبیہ میں کفارِ مکہ سے صلح کا عہد نامہ، قبائلی سرداروں کے نام فرامین، سلاطین عالم کے نام خطوط وغیرہ۔ اس دور میں آپ ﷺ نے حدیث کی کتابت کی عام اجازت صحابہ کرام ﷺ کو نہیں دی۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تکتبوا عنّی غیر القرآن، ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه)) (۱)

''قرآنی آیات کے علاوہ آپ لوگ مجھ سے جو کچھ سنیں وہ قلم بند نہ کریں۔ اگر کسی نے آیات کے علاوہ کوئی چیز لکھ دی ہو تو اسے چاہیے کہ اسے مٹا دے''۔

ابوسعید خدری ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ ﷺ ہمیں حدیث لکھنے کی اجازت دیں لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔

حضرت ابوہریرۃ ؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے کہ ہم روایات لکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا لکھ رہے ہو؟...... ہم نے عرض کیا: وہ روایات جو آپ سے سنتے ہیں...... آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب۔ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی لکھیں۔

کتابتِ حدیث کی ممانعت کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے اوائل میں کتابتِ حدیث سے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی حکمت پر علمائے حدیث نے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ یہاں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں:

① قرآن مجید بلحاظ بلاغت اعجاز کے جس اعلیٰ مرتبہ میں ہے اس کا مقابلہ کوئی دوسرا کلام نہیں کرسکتا ہے۔ صحابہ کرام ؓ چونکہ فہم وادراک میں متفاوت درجہ رکھتے تھے اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ اگر حدیث کی کتابت ہوئی تو اکثر لوگ قرآن اور حدیث کے درمیان فرق نہ کرسکیں گے اور حدیث کو بھی قرآن لکھیں گے۔ جب کہ قرآن کی اشاعت ابھی عام طور سے نہیں ہوئی تھی اور نہ حفاّظ قرآن کی تعداد زیادہ ہوئی تھی۔ اس لیے قرآن اور حدیث میں التباس واشتباہ ہوجائے گا۔ اس التباس کے خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور قرآن کی آیات میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ آنے کے لیے حدیث کی کتابت ممنوع قرار دی گئی تھی جیسا کہ اسلام سے پہلے اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) اس التباس واشتباہ کے خطرہ میں پڑ گئے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث کی ممانعت اس وقت تک قائم رکھی جب تک قرآن مجید کی اشاعت عام نہ ہوگئی اور اس کے حفاظ بہت کافی تعداد میں پیدا نہ ہوگئے۔ اس دور میں آپ ﷺ نے صرف حدیث کی روایت اور زبانی نقل اور زبانی حفظِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ ساتھ ہی روایتِ حدیث میں کذب سے منع فرمایا۔

② ابتداء میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابت عام طور سے اس وقت رائج نہیں ہوئی تھی...... جو اچھے کاتب تھے وہ قرآن مجید کی کتابت میں مشغول تھے۔ اگر حدیث کی کتابت بھی اس وقت جاری ہوجاتی تو کاتبوں کی توجہ بٹ جاتی اور یکسوئی سے قرآن مجید کی کتابت نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ تک کتابتِ

حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

③ صحابہ کرام ﷺ کی اکثریت ایسی تھی کہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ حافظہ رکھتے تھے۔ ان کے اس قدرتی قوتِ حافظہ کے ملکہ کو برقرار رکھنے کی خاطر کتابتِ حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

④ اس دور میں چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اس لیے عام طور پر کتابت ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لوگ طول طویل نظمیں زبانی یاد کرتے تھے۔ انساب اور تاریخی روایات لوگوں کو ازبر ہوتی تھیں۔ معلومات کے حصول اور انتقال کا دارومدار حافظہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے روایات بیان کرنے کی عام اجازت عطا فرمائی تھی البتہ کتابت کی عام اجازت نہیں تھی۔ خواص کو اجازت تھی۔

کتابتِ حدیث کی اجازت

جب حفاظِ قرآن کی تعداد بڑھ گئی، لکھنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی اور قرآنِ مجید کا نزول اور اس کی اشاعت بھی بڑی حد تک ہوچکی تو رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام ﷺ کو جنہوں نے کتابتِ حدیث کی اجازت طلب کی تھی اجازت دے دی۔ کیونکہ قرآن اور حدیث میں اب التباس واشتباہ نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت ابوہریرۃ ﷺ کی روایت ہے کہ انصار کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے لیکن یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ مجھ سے پوچھتے تھے تو میں بتا دیتا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی اسی کمزوری کے بارے میں آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی:

((استعن علی حفظک بیمینک)) (۲)

''اپنے حافظہ کی مدد اپنے دائیں ہاتھ سے کرلیا کرو۔ (یعنی لکھ لیا کرو)''

اس صحابی ﷺ کو اجازت مل جانے کے بعد دیگر صحابہ کرام ﷺ نے بھی اجازت طلب کرنے کی جسارت کی۔ حضرت رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے بہت ساری باتیں سنتے ہیں کیا ان کو لکھ لینے کی اجازت ہے؟...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو۔ کوئی حرج نہیں۔ (۳)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیدوا العلم بالکتاب......(۴) ''علم کو لکھ لیا کرو''۔

سعید بن بلال ؓ کہتے ہیں: جب ہم حضرت انس سے زیادہ پوچھنا شروع کر دیتے تو آپ اپنے پاس سے چونگہ نکالتے اور فرماتے: یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ (۶)

حضرت انس ؓ کو دس سال کی عمر میں ان کی والدہ امّ سلیم نے رسول ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ: **ھذا ابنی وھو غلام کاتب**.......... ''یہ میرا بیٹا ہے جو کتابت جانتا ہے''۔ حضرت انس آخر وقت تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ خود فرماتے تھے کہ نو سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ بارگاہ نبوت میں اس رسوخ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات آپ ﷺ ان کو یا بنیّ! کے لفظ سے پکارتے تھے۔ انہی وجوہ سے ان کو کتابتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

محمد بن سعید کی روایت ہے کہ محمد بن مسلمہ انصاری (م ۴۲ھ) کی جب وفات ہوئی تو ہمیں ان کی تلوار کی نیام میں ایک تحریر ملی۔ محمد بن مسلمہ خواص صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ان تین اصحابؓ میں ایک تھے جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو جو سخت دشمنِ رسول تھا، قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بعض غزوات میں اہم ذمہ داری بھی سونپی تھی۔ آپ ''جمل'' اور ''صفین'' کے مواقع پر موجود تھے لیکن ان ہنگاموں سے دور رہے۔ آپ کے پاس جو روایات تحریر کی شکل میں موجود تھیں غالباً اس دور کی ہوں گی جب کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی تھی۔
صحابہ کرام ؓ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ وہ صحابی ہیں جنہوں نے کتابتِ حدیث میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تقریباً سات سال پہلے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں ایک ۱ھ میں مدینہ آئے۔ یہاں آکر آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جب آپ کی عمر چودہ سال تھی تو آپ اچھی طرح پڑھ لکھ سکتے تھے۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ صحابہ کرام ؓ میں آپ کا زہد و تقویٰ اور عبادت بہت مشہور تھی۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ آپ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی

درخواست قبول فرمائی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت کے لیے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اس ضمن میں اجازت دی۔ اجازت مل جانے کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا۔ آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ''صادقہ'' رکھا تھا۔

عبداللہ بن عمروؓ اپنی کتابتِ حدیث کی مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے اپنے پاس لکھ لیا کرتا تھا اور نیّت تھی کہ اسے زبانی یاد کرلوں۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کے ارشادات لکھتا رہتا ہوں تو انہوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اس لیے ہر قسم کی روایات نہ لکھ لیا کرو۔ میں ان کی باتوں میں آ گیا اور لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قریش کی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنی انگشتِ مبارک سے زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اکتب! فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ إلا حق'' (۷)

''تم مجھ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہوتا ہے''۔

صحیفۂ صادقہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات اور باقاعدہ اجازت کے بعد عبداللہ بن عمروؓ نے کتابتِ حدیث کا کام جاری رکھا اور جو روایات جمع کیں ان کے مجموعہ کا نام ''الصحیفة الصادقة'' رکھا۔ اس کوشش کو عہدِ نبوی ﷺ میں تدوینِ حدیث کی ابتدا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس صحیفہ کو مجاہد بن جبر نے ابن عمروؓ کے پاس دیکھا تھا۔ مجاہد نے اس کو لے کر دیکھنا چاہا تو ابن عمروؓ نے فرمایا: **مہ یا غلام بنی مخزوم** (''اے بنی مخزوم کے لڑکے! رک جا'')۔ مجاہد کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ کس قسم کی تحریر ہے؟...... آپؓ نے فرمایا: یہ ''صادقہ'' ہے۔ اس میں وہ احادیث لکھی ہوئی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سنی ہیں۔ یہ مجموعہ حضرت ابن عمروؓ کو اتنا عزیز تھا کہ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: میری زندگی میں ''صادقہ'' اور ''رہط'' سے زیادہ کوئی چیز مجھے پسندیدہ

نہیں (۸) حفاظت کی خاطر آپ اس مجموعہ کو صندوق میں رکھتے تھے۔ آپ کا یہ مجموعہ آپ کے خاندان میں محفوظ رہا۔ آپ کے پرپوتے عمرو بن شعیب اسی سے روایت کرتے تھے۔ مصادرِ حدیث میں جتنی روایات "عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده" کی سند سے وارد ہیں وہ صحیفۂ صادقہ سے منقول ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اسی کی بیشتر روایات اخذ کی ہیں۔ حافظ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس صحیفہ میں تقریباً ایک ہزار روایات تھیں۔ صحابہ کرام ﷺ میں سب سے زیادہ روایات سیدنا ابوہریرۃ ﷺ سے مروی ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر بنتی ہے۔ ابوہریرۃ ﷺ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو ﷺ ان کے مقابلہ میں زیادہ روایات کے حامل تھے اس لیے کہ وہ لکھتے تھے اور ابوہریرۃ ﷺ نہیں لکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر عبداللہ بن عمرو ﷺ کی ساری روایات مصادرِ حدیث میں منتقل نہیں ہوسکیں۔ ورنہ ابوہریرۃ ﷺ کے مقابلہ میں ان کی روایات زیادہ ہوتیں۔ عبداللہ بن عمرو ﷺ چونکہ عبادت وریاضت اور خلوت میں زیادہ رہنے لگے تھے اس لیے جو روایات ان کے حافظہ میں تھیں وہ حافظہ میں رہ گئیں۔ البتہ جو مخطوطہ کی شکل میں تھیں وہ منتقل ہوگئیں۔ ۲۱ھ میں جب سیدنا عمرو بن العاص ﷺ نے مصر فتح کرلیا تو عبداللہ بن عمرو ﷺ بھی ان کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔ مصر اگرچہ بہت متمدن اور مہذب علاقہ تھا لیکن حجاز میں صحابہ کرام ﷺ کی جتنی تعداد تھی وہ یہاں نہ تھی۔ اس لیے ابوہریرۃ ﷺ کو مرکز میں رہنے سے جو فائدہ ہوا وہ عبداللہ بن عمرو ﷺ کو مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

خطبۂ فتحِ مکہ کی کتابت

۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ حدیث وسیرت کے مصادر میں موجود ہے۔ اس کے راوی سیدنا ابوہریرۃ ﷺ ہیں۔ اس موقع پر سامعین میں ابوشاہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لأبی شاه (۹)۔ اس حدیث کے منجملہ رواۃ میں ولید بن مسلم اور ان کے شیخ امام اوزاعی بھی ہیں۔

ولید نے امام اوزاعی سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اس قول: ''اکتبوا لأبی شاہ'' کا کیا مطلب ہے؟......امام اوزاعی نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ تھا کہ ابوشاہ نے جو خطبہ سنا ہے اسے لکھ کر دیا جائے کیونکہ ابوشاہ کا حافظہ اچھا نہ تھا اور خطبہ زبانی یاد رکھنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس حدیث سے واضح طور پر کتابتِ حدیث کا نہ صرف ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے حکم کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ

رسول اللہ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس معاہدے، فرامین، خطوط اور ضروری ہدایات و احکام لکھوائے۔ یہاں اس ضمن میں اجمال کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک مشہور دستور نامہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد لکھوایا۔ اس دستور میں مہاجر، انصار اور اہل یثرب کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور کی ابتداء ان کلمات سے کی گئی ہے:

> ''ھذا کتاب محمّد النبی رسول اللہ من المؤمنین والمسلمین من قریش وأھل یثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم أنھم أمة واحدة من دون الناس'' (١٠)
>
> ''یہ محمد، اللہ کے نبی اور رسول کا نامہ ہے تمام مؤمنین اور مسلمین کی طرف سے جن کا تعلق قریش اور اہلِ یثرب سے ہے اور جو ان کے متعلقین ہیں اور ان کے ساتھ رہ کر جہاد میں شریک رہے ہیں کہ وہ سب امة واحدة میں داخل ہیں۔ مخالفین کے مقابلہ میں یہ سب کے سب ایک ساتھ رہیں گے''۔

یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر درج ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریقوں

نے منظور کیا یہ معاہدہ تاریخ ابن ہشام میں پوری طرح منقول ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

① خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے رائج ہے اب بھی اسی طرح رائج رہے گا۔

② یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

③ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

④ یہود یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

⑤ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

⑥ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔

⑦ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ البتہ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

کفارِ مکہ سے معاہدہ کی شرائط

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر کفارِ مکہ سے آپ ﷺ نے جو صلح کی تھی اس کی شرائط حسب ذیل تھیں:

① مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

② اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

③ مسلح ہو کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا) میں۔

④ مکہ میں جو مسلمان مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

⑤ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

⑥ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔

ان معاہدات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام ؓ کو ہدایات اور فرامین واحکام تحریری شکل میں دیئے مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا اور انہیں ایک تحریر دی جس میں فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کا ذکر تھا۔ (۱۱)

② رسول اللہ ﷺ نے وائل بن حجر کو جو علاقہ حضر موت میں اپنی قوم کے سردار تھے مکتوب بھیجا جس میں اسلام کے ارکان، نماز و روزہ اور زکوٰۃ کا نصاب، حدِ زنا اور تحریم خمر کا ذکر تھا اور یہ بھی مذکور تھا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔

③ ابن ابی لیلیٰ نے عبداللہ بن حکم سے روایت کی ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک مکتوب پڑھا گیا اس میں مردار جانور کی کھال اور پٹھوں سے متعلق احکام تھے۔

④ ابن حنفیہ محمد بن علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ مکتوب لو اور عثمان ؓ کے پاس لے جاؤ اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو صدقہ سے متعلق ہے۔

⑤ حضرت ابوبکر ؓ نے انس بن مالک ؓ کے پاس وہ مکتوب ارسال کیا جس میں ان صدقات کا بیان تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ اور ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مکتوب پر رسول اللہ ﷺ کی مہر لگی تھی۔ (۱۲)

⑥ ضحاک بن سفیان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت تھی جس میں شوہر کی دیت (خون بہا) کا حکم تھا۔

⑦ حضرت معاذ بن جبل ؓ کے پاس عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئی وہ تحریر تھی جس میں سبزیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔ (۱۳)

⑧ مدینہ منورہ کے حرم ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تحریر حضرت رافع بن خدیج کے پاس تھی۔

⑨ رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور حکّام کو جو خطوط بھجوائے۔ ان کے مضامین سیرت اور حدیث کے مصادر میں منقول ہیں۔

RESEARCH INDEX APPROVED PROJECT IRI اسلامی تحقیق کا اشاریہ

سنّت ......خلافتِ راشدہ کے عہد میں

سنت نبوی ﷺ......عہدِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں

دورِ رسالت میں اللہ جل شانہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تشریعِ اسلامی کا کام ہوتا رہا۔ وحی الٰہی کا نزول جاری تھا جس کی مسلسل تبلیغ پورے انہماک سے رسول اللہ ﷺ لوگوں میں فرماتے اور اس کے مقاصد کو بیان فرماتے اور سارے عالم کے اہل ادیان کو دعوت حق دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امت کے تمام امور، قضایا، فتاویٰ، مالی، سیاسی اور عسکری تنظیم میں مرجع اعلیٰ تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روبرو دینی اور دنیاوی تمام امور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور وحی منقطع ہوگئی اور امت کے پاس دو ہی چیزیں رہ گئیں: ایک کتاب اللہ اور دوسری سنتِ رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا:

((تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما، كتاب الله و سنّتي))

(مستدرک امام حاکم، ج ۱ .ص ۹۳)

"میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تمہارا تعلق ان کے ساتھ رہے گا تم سیدھی راہ پر رہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت"۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسۂ عام میں تمام مسلمانوں کے اتفاقِ رائے سے خلیفہ منتخب کئے گئے تو آپ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اطراف ملک کے حالات پر گہری نظر ڈالی۔ آپؓ نے دیکھا کہ مخالفین اسلام کی وہ طاقتیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں روپوش ہوگئی تھیں آپ ﷺ کی وفات کی خبر سنتے ہی دفعتاً نمودار ہوگئیں۔ ایک طرف مسیلمۂ کذاب تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکرِ جرار تیار کر رہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نے زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کے مالی نظام کا ڈھانچہ درہم برہم ہونے والا تھا اور اقتصادی نظام کی برہمی سے تمام دینی اور دنیاوی کام رک جاتے۔ تیسری طرف روم کی سلطنت کی طرف سے مسلمانوں کو دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ان متعدد خطرات کا مقابلہ کرنے

کے لیے خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آمادہ ہو گئے۔ پہلے حضرت اسامہ بن زید ﷜ کو طلب کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اسلامی لشکر کا سردار بنا کر علم دیا تھا۔ اور وہ اہلِ روم کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والے تھے کہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور چندروز کی علالت کے بعد اپنے پروردگار سے جا ملے۔ جس کی وجہ سے حضرت اسامہ ﷜ کی روانگی ملتوی ہو گئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر ﷜ نے حضرت اسامہ ﷜ کو دوبارہ سالارِ لشکر بنایا اور علم عطا کیا اور فرمایا: ''جس جھنڈے کو رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے اس کے کھولنے کا مجھے اختیار نہیں ہے''۔ دوسری طرف خالد بن ولید ﷜ کو جھنڈا دیا تا کہ وہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے باغیوں اور مسیلمۂ کذاب اور اس کی قوم سے جہاد کریں۔ مانعینِ زکاۃ کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا: خلیفۂ رسول اللہ! مانعینِ زکوٰۃ کی بات مان لیجئے اور ان سے جنگ نہ کیجئے کیونکہ وہ سب دائرہ اسلام میں نو وارد ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فاذا قالوها عصموا منّي دمائهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله))

(الجامع الصحيح للامام مسلم. كتاب الزكاة)

مقصد یہ کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق لڑنا اور ان کو جان سے مارنا جائز نہیں۔ سیدنا عمر ﷜ فاروق بھی اسی رائے کے قائل تھے۔ صدیق اکبر ﷜ نے فرمایا کہ زکوٰۃ حق المال ہے جس کے انکار پر جنگ ضروری ہے۔ اور حضرت عمر ﷜ کی رائے کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ جو جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ابوبکر صدیق ﷜ نے اس موقع پر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نماز اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کرتا ہوں۔ اگر مانعینِ زکوٰۃ ایک عقال (اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی) سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بطورِ زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا ان سے جہاد کروں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ خیر الحاکمین ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے سینوں کو کھول دیا اور سب ابوبکر صدیق ﷜ کے قول سے متفق ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرۃ ﷜ کہتے ہیں کہ ہم سب نے جنگ کی اور ہم لوگوں کی یہی

رائے ہوگئی کہ یہی راستی اور سچائی تھی۔ صدیق اکبر ؓ نے خالد بن ولید ؓ اور اسامہ بن زید ؓ کی سرکردگی میں دو اسلامی لشکر روانہ کئے تھے۔ یہ دونوں مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کے لشکر والوں نے مسیلمۂ کذاب کو قتل کیا اور اس کی فوج پراگندہ ہوکر ملیامیٹ ہوگئی۔ مانعینِ زکوٰۃ بھی زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہوگئے اور حضرت اسامہ بن زید ؓ کو اپنی مہم میں کامیابی ہوئی۔

مسیلمۂ کذاب کے مقابلہ میں جو جنگ لڑی گئی۔ وہ چونکہ مدعیٔ نبوت کے خلاف تھی اس لیے صحابہ کرام ؓ نے بہت جوش وجذبہ کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ اور ایسے صحابہ کرام ؓ جو کبار اور حفاظ تھے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ناموس کی خاطر شریک ہوئے۔ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ لیکن اس میں حفاظ صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ جنگ چونکہ یمامہ کے مقام پر لڑی گئی اس لیے اس کو ''جنگِ یمامہ'' کہتے ہیں۔ ان حفاظ کی شہادت کی خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمانوں کو بے حد قلق اور رنج ہوا۔ حضرت عمر ؓ بھی متاثر ہوئے اور فوراً صدیق اکبر ؓ کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ جہاد کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا لیکن اگر اسی طرح حفاظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کی حفاظت مشکل ہو جائے گی کیونکہ ابھی تک قرآن کی آیات مختلف قطعات پر لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد قرآنِ کریم کی آیات کو لکھوا کر مدوّن کیا جائے۔ صدیق اکبر ؓ نے نہایت غور وفکر اور سوال وجواب کے بعد حضرت عمر ؓ کی تجویز کو پسند کیا اور زید بن ثابت ؓ کو طلب کیا جو پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاتبِ وحی رہ چکے تھے اور ان کی نگرانی میں قرآنی آیات کو لکھوا کر مدوّن کر دیا۔ یہ نسخہ ابوبکر صدیق ؓ کی امانت میں رکھا گیا۔

قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ سنتِ رسول ﷺ کا تھا اس کی تدوین کی طرف بھی صدیق اکبر ؓ توجہ دینا چاہتے تھے لیکن آپ ؓ کی عمر نے وفا نہیں کی۔ دو سال تین ماہ تک آپ ؓ نے خلافت کے امور کو انجام دیا۔ صدیق اکبر ؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ دیکھا کہ صحابہ کرام ؓ حدیث کی روایت اور فہم میں متفاوت ہیں۔ اس لیے کہ سارے صحابہ فقیہ نہ تھے۔ ان صحابہ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا اور آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا لیکن روایات کی تطبیق اور استنباط کے ضمن میں اس وقت کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا۔ صحابہ کرام ؓ زیادہ تر حدیث کے راوی تھے وہ احادیث کو انہی الفاظ میں بیان کرتے

تھے جن الفاظ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ ان کو اس سے مطلب نہ تھا کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے۔ عزیمت والی حدیث کون سی ہے اور رخصت والی حدیث کون سی ہے اس بنا پر ایک صحابی کسی مسئلہ کی رخصت والی حدیث بیان کرتے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے تھے تو دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ اس کے خلاف اس مسئلہ میں عزیمت پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی ایک شخص کو سفر کی حالت میں سر میں چوٹ لگی تھی جس سے سر زخمی ہو گیا تھا اسی حالت میں اسے غسل کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اس نے اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے تیمّم کے بجائے اسے غسل کرنے کی ہدایت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غسل کرنے کے بعد اس کی تکلیف بڑھ گئی اور وہ انتقال کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے رخصت پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔ تیمّم کر لیتا تو کافی تھا۔

رسول اللہ ﷺ جو احکام دیتے تھے ان میں بعض احکام وقتی ہوتے تھے پھر وہ وقت گذر جانے اور حالات کے مناسب ہونے پر ان کو منسوخ فرما دیتے یا کراہت کو اجازت میں بدل دیتے تھے جیسا کہ ایک سال آپ ﷺ نے قربانی کے اضافی گوشت کو تین دنوں سے زیادہ بطور ذخیرہ رکھنے سے منع فرمایا۔ دوسرے سال لوگوں نے جب اس ہدایت پر عمل کرنے کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے قربانی کے دن مساکین کی کثرت کو دیکھ کر تمہیں گوشت بچانے سے روکا تھا۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ تم قربانی کا گوشت کھاؤ، خیرات کرو اور بچاؤ۔

روایات میں اختلاف کو دیکھ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیث کی روایت کرنے میں احتیاط کا مشورہ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ روایت کے نتیجہ میں اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان راجح و مرجوح کی اختلافی مسائل میں پڑ گئے تو وہ فتنے جو چاروں طرف منہ کھولے کھڑے تھے تقویت حاصل کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روایتِ حدیث میں انتہائی احتیاط اور سوچ و بچار کی ہدایت کی۔ ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں روایت کرتے وقت آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ کے بعد لوگوں میں اختلاف اور شدید ہو

جائے گا اس لیے آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہ بیان کریں آپ سے کوئی پوچھے تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھو۔ ایسی صورت حال میں جبکہ قرآن مجید کی آیات کی تدوین کا کام شروع بھی نہ ہوا تھا اور طاقتور دشمنوں کے حملے سروں پر منڈلا رہے تھے روایتِ حدیث کو وقتی طور پر روکنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے ضروری ہو چکا تھا کیونکہ احادیث کی روایت سے باہم اختلافات ہونے لگے تھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صدیق اکبر نفس حدیث یا اس کی کتابت کے مخالف تھے جس کی اجازت عہدِ نبوی ﷺ کے آخری ایام میں ہو چکی تھی۔ اگر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل نہ ہوتے تو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو حدیثیں نہ لکھتے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حاکم کی روایت نقل کی ہے۔

امام حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل تھے جب ہی تو انہوں نے پانچ سو حدیثیں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کر کے یا لکھوا کر کے اپنے پاس رکھی تھیں۔ اور ایک عرصہ تک یہ روایات ان کے پاس محفوظ رہیں۔ بعد میں انہوں نے اس مجموعہ کو نذرِ آتش کر دیا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ ان روایات کے رُواۃ تو معتمد اور ثقہ وعادل تھے لیکن روایات کو نقل کرنے میں وہ اہتمام نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس واقعہ کو پیشِ نظر رکھ کر ہرگز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث اور کتابتِ حدیث کے مخالف تھے۔ پانچ سو روایات کا جمع کرنا سنت کی حجت کی بنا پر تھا اور پھر ان کی نقل میں شک ہو جانے کے باعث نذرِ آتش کرنا دوسری علت کی بنا پر تھا۔ حدیث یا کتابتِ حدیث کی مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور سنتِ نبوی ﷺ پر جس قدر جان نثار اور شیفتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اس کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو قضایا، فتاوی اور مقدمات کے متعلق قرآن مجید میں اگر حکم نہ ملتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث دریافت کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے بلکہ ایمان لانے والے مردوں میں پہلے شخص تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں رہے تھے۔ ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بہ نظر احتیاط حدیث کی روایت بہت کم کرتے تھے اور ایک لفظ و حرف کے فرق کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی ان سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو بیالیس (۱۴۲) کے لگ بھگ ہے۔

ایک دفعہ حضرت علی ﷺ نے فرمایا: حد ثنی ابو بکر، و صدق ابو بکر۔

ایک موقع پر ابوبکر صدیق ﷺ نے حضرت براء ﷺ کے والد عازب کو ہجرت کے پورے واقعات سنائے۔ انبیاء کی میراث سے متعلق روایت آپ نے بطورِ استدلال پیش کی۔ اس روایت کی تصدیق ان ممتاز صحابہ کرام ﷺ نے کی جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ مقصد یہ کہ صدیق اکبر ﷺ نے انتظاماً صحابہ کرام ﷺ کو حدیث کی روایت میں احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ اگر آپ ﷺ کی خلافت کی مدت طویل ہو جاتی تو جس طرح آپ نے قرآن مجید کی آیات لکھوا کر ان کی با قاعدہ تدوین کی اسی طرح قرآنِ کریم کے بعد احادیثِ نبوی ﷺ کو صحابہ کرام ﷺ کے سینوں سے اور مکتوبہ اجزاء سے جمع کرا کر تدوین حدیث کی خدمت بھی انجام دے دیتے۔ اور روایات کے اختلافات کو تطبیق دے کر مٹا دیتے لیکن اللہ جل شانہ کی یہی مشیت تھی کہ تدوین حدیث کی خدمت دیگر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کا طبقہ اپنی مسلسل کوشش اور جدو جہد سے انجام دے تاکہ حدیث کی طلب میں نشاطی حرکت تیز تر ہو اور اسی حرکت وطلب اور جستجو سے حدیث کے بہت سے دوسرے علومِ متعلقہ بھی پیدا ہوں جس سے امتِ مسلمہ کی آنے والی نسلیں زیادہ سہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔

سنتِ نبوی ﷺ......عہدِ فاروق ﷺ میں

ابوبکر صدیق ﷺ کی وفات کے بعد عمر فاروق ﷺ کا عہدِ خلافت آیا۔ آپ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں قرآنِ مجید کی تعلیم، ترویج اور اشاعت میں انتہائی کوشش کی۔ ساتھ ہی روایات کے جمع کرنے اور کتابت کر کے تدوینِ حدیث کا خیال آیا۔ اس بارے میں جب صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ کیا تو اکثریت کی طرف سے مثبت جواب ملا۔ لیکن آپ نے صورتِ حالات کا جائزہ لینے کے بعد تدوینِ حدیث کے ارادہ کو بدل دیا۔ حضرت عروۃ بن الزبیرؒ اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

''حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے سنن لکھوانے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں صحابہ ﷺ سے مشورہ کیا۔ سبھوں نے مشورہ دیا کہ سنن لکھے جائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر ﷺ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب انہیں شرح صدر ہوا تو فرمایا: میں سنن کی

کتابت کرانا چاہتا تھا کہ ایک قوم یاد آ گئی جو تم سے پہلے تھی۔ جس نے بہت کتابیں لکھیں اوران کتابوں پر جھک گئی اور اللہ جل شانہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ بخدا! میں کتاب اللہ میں کبھی کوئی چیز ملانا نہیں چاہتا ہوں''۔(۱۴)

حضرت عمرؓ نے سنن کی عدمِ کتابت کا فیصلہ عجلت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ کامل غور وفکر اور ایک ماہ تک استخارہ کرنے کے بعد فرمایا۔ آپ کا مقصد بھی وہی تھا جو خلیفۂ اول کا تھا کہ پہلے کتاب اللہ کی پوری اشاعت ہو جائے اور حفاظِ قرآن بکثرت پیدا ہو جائیں۔ اس کے بعد سنت کی تدوین عمل میں آئے۔ بہ یک وقت دو اہم کام جاری نہیں رہ سکتے ہیں۔ سنت کے محافظین حفاظ حدیث کی کافی تعداد موجود ہے۔ انہوں نے اپنے سینوں میں محفوظ طریقہ سے سنن کو رکھا ہے اور مسلسل مذاکرہ کی وجہ سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ مناسب وقت میں اس کی تدوین بھی عمل میں آ جائے گی۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ حدیث کی روایت میں اعتدال آ جائے۔ اگر کثرتِ حدیث کی روایت اس زمانے میں کی جائے جبکہ تدوینِ حدیث عمل میں نہیں آئی ہے تو مخالفین اسلام اور منافقین کو موضوع حدیث بیان کرنے کا موقع مل جائے گا اس خیال سے حضرت عمرؓ نے روایتِ حدیث کی کثرت کو روکا اور اس پر سختی سے عمل کیا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

''عمر فاروقؓ زیادہ روایت کرنے والوں کو سختی سے روکتے تھے اور ایسے لوگوں کے ساتھ بھی سختی برتتے تھے جو کسی حکم میں کوئی خبر بغیر شاہد (گواہ) کے لاتے تھے''۔(۱۵)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کثرتِ روایت پر سختی کا عمل عمر فاروقؓ کی تنہا ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا بھی اس زمانے میں یہی خیال تھا۔ ابن قتیبہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اکثر جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ ﷺ کے خاص الخاص حضرات جیسے ابوبکر صدیقؓ، زبیرؓ، ابوعبیدہؓ، عباسؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ سے بہت کم روایت کرتے تھے، بلکہ بعض تو تقریباً روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ جیسے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے''۔ (۱۶)

حضرت عمرؓ نے قرظہ بن کعبؓ کو وفد کی صورت میں کوفہ روانہ کرتے وقت وصیت کی تھی کہ روایت کم کرنا۔قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے:

''ہمیں عمر بن الخطابؓ نے کوفہ روانہ کیا اور مقام جرار تک جو مدینہ کے قریب ہے ہمارے ہمراہ رہے۔ یہاں آ کر آپؓ نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ یہاں تک آیا؟......ہم نے جواب دیا: چونکہ ہمیں رسول اللہﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہےاور ہمارا تعلق انصار سے ہے۔تو آپ نے اِن دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں آپ کے ساتھ یہاں تک اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے ایک اہم بات کرنی ہے۔آپ میری اس بات کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔پھر فرمایا: آپ لوگ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس کے دل میں قرآن کے ساتھ اتنا تعلق اور عقیدت ہے کہ تلاوت کرتے وقت ان کے دل اس طریقہ سے حرکت کرتے ہیں جس طرح حرارت کی وجہ سے دیگچی متحرک ہوتی ہے۔وہ لوگ جب آپ کو دیکھیں گےتو آپ کی طرف آگے بڑھیں گے اور کہیں گے کہ یہ صحابہ کرامؓ ہیں۔وہ آپ سے سننا چاہیں گے۔میری وصیت ہے کہ ان کے سامنے احادیث کم سے کم بیان کریں۔اس معاملہ میں آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے''۔ (۱۷)

حضرت عمرؓ نے جب ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہ حدیث سنی:

((إذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیرجع))

''جب تم میں سے کوئی کسی کو تین بار سلام کرےاور گھر کے اندر سے جواب نہ ملےتو اسے واپس چلا جانا چاہیے''۔

تو فرمایا: ابوموسیٰ! اس حدیث پر تم گواہ پیش کرو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔اور جب دوسرے صحابہؓ نے

ابوموسیٰ ﷜ کی روایت کردہ حدیث کی تصدیق کی۔تو عمر فاروق ﷜ نے اسے قبول کیا۔حافظ ذہبی ﷫ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابی بن کعب نے عمر فاروق ﷜ کی موجودگی میں حدیث بیان کی۔حضرت عمر ﷜ نے ابی بن کعب سے اس کی تصدیق کے لیے گواہ طلب کیا۔ جب انصار میں سے بعض حضرات نے اس کی تصدیق کی تو عمر فاروق ﷜ نے ابی بن کعب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

((اما إنی لم اتهمک ولکن أحببت أن أثبّت))

''میں آپ کو ناقابل اعتماد نہیں سمجھتا لیکن میری خواہش تھی کہ اس حدیث کی مزید تائید ہو''۔(۱۸)

ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرۃ ﷜ سے پوچھا: کیا آپ حضرت عمر ﷜ کے دورِ خلافت میں اسی طرح روایات بیان کرتے تھے؟......ابوہریرۃ ﷜ نے جواب دیا: اگر میں حضرت عمر ﷜ کے دور میں اسی طرح کثرت سے روایات بیان کرتا تو وہ مجھے سختی سے منع فرماتے۔(۱۹)

جولوگ حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت کے قائل نہیں وہ حضرت عمر ﷜ کی کثرت روایت کے ضمن میں سختی کو بنیاد بنا کر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷜ صرف قرآن مجید کو اسلامی تشریع کا مصدر قرار دیتے تھے اور حدیث سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمر ﷜ نے تین جلیل القدر صحابہ کرام ﷢ کو کثرت روایت کی بناء پر قید میں ڈالا تھا۔ثبوت کے لیے یہ حضرات حافظ ذہبی کی نقل کردہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

"إن عمر حبس ثلاثة، ابن مسعود وأبا الدرداء وأبا مسعود الأنصاری فقال: قد أكثر تم الحديث عن رسول الله ﷺ."

حدیث کے مخالفین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حدیث قرظہ کو بھی پیش کرتے ہیں جو شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے۔ان حضرات کے اس فرضی الزام کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں تین صحابہ کرام ﷢ کے متعلق ''حبس'' کا لفظ آیا ہے۔ یہاں حبس کے معنی قید کرنے کے نہیں ہیں۔اس شبہ کو دور کرنے کے لیے امام رامہرمزی نے اپنے شیخ ابوعبداللہ ابن البری کی یہ روایت نقل کی ہے:

((أن عمر بن الخطاب حبس بعض أصحاب النبي ﷺ، فيهم إبن مسعود وأبو الدرداء، فقال: قد اكثرتم الحديث عن رسول الله ﷺ. قال أبو عبد الله ابن البری، يعنى منعهم من الحديث ولم يكن لعمر حبس)) (۲۰)

''عمر فاروق ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ کرام ؓ کو ''حبس'' میں کر دیا تھا جن میں ابن مسعود اور ابوالدرداء ؓ بھی تھے۔ اور فرمایا کہ تم نے روایت حدیث میں بہت کثرت کر دی ہے''۔ ابوعبداللہ ابن البری کہتے ہیں کہ عمر فاروق نے ان اصحاب کو حدیث کی روایت کرنے سے صرف منع کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ روایتِ مذکورہ میں ''حبس'' کا جو لفظ آیا ہے وہ ''قید'' کے معنی میں نہیں بلکہ منع کے معنی میں ہے''۔

حافظ ابن البر کی یہ تعبیر بہت عمدہ ہے۔ حضرت عمر ؓ کی ممانعت کثرتِ حدیث میں اس لیے ہوتی تھی کہ سامعینِ حدیث میں زیادہ غور وفکر نہ کر سکیں گے، اور راویانِ حدیث کثرت روایت کے باعث ضبط، تثبت اور اتقان کے اصول کو ملحوظ نہ رکھیں گے جس کی وجہ سے حدیث میں کمی بیشی کا اندیشہ رہے گا۔ حضرت عمر ؓ کے نزدیک حدیث کی روایت مذموم نہ تھی کیونکہ خود ان سے بکثرت حدیث کی روایت ثابت ہے۔ حضرت عمر ؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ اور چند صحابہ ؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہ ؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی ہیں۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ ؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرۃ ؓ ہیں وہ قید نہ ہوں اور تین جلیل القدر صحابہ ؓ قید کر دیئے جائیں۔ ابو ہریرۃ ؓ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴)، ابن مسعود ؓ نے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸)، ابوالدرداء ؓ نے ایک سو اناسی (۱۷۹) اور ابو مسعود ؓ نے ایک سو دو (۱۰۲) احادیث روایت کی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عمر فاروق ؓ مکثرین صحابہ کرام ؓ کی جانچ لیا کرتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا تھا کہ زیادہ روایت کرنے والے صحابی ؓ کا حافظہ قوی ہے اور وہ حدیث پورے ضبط کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے حدیث کی روایت کی عام اجازت دیتے تھے جو اجازت نامہ اور سند کی حیثیت ہوتی تھی۔ حافظ ذہبیؒ، ابو ہریرۃ ؓ کی روایت بیان کرتے ہیں:

''ابو ہریرۃ ؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ کے پاس میری کثرتِ روایت کی خبر پہنچی۔ انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: کیا تم ہمارے ساتھ اس دن تھے جس دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر میں تھے۔ میں نے کہا: جی ہاں! میں موجود تھا۔ میں حضرت عمر ؓ کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ آپ ؓ نے مجھے مخاطب کیا اور پوچھا: میں نے تم سے یہ سوال کیوں کیا؟ میں نے کہا: جس دن ہم ساتھ تھے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کی ہو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حضرت عمر ؓ نے میری زبان سے یہ حدیث سنی اور فرمایا: جاؤ اور حدیث کی روایت کرو''۔ (۲۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو ہریرۃ ؓ کو جو حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں محض ان کے حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان کے لیے طلب کیا تھا جب وہ حضرت عمر ؓ کے امتحان میں پورے اترے تو انہیں حدیث کی روایت کی عام اجازت دے دی گئی۔ اسی طرح تین جلیل القدر صحابہ کرام ؓ کو حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان اور جانچ کے لیے کچھ دنوں تک حدیث کی روایت سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس مفہوم کی تائید خطیب بغدادی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

((بعث عمر بن الخطاب إلى عبدالله بن مسعود وإلى أبى الدرداء، وإلى أبى مسعود الأنصارى، فقال: ما هذا الحديث الذين تكثرون عن رسول الله ﷺ؟ فحبسهم بالمدينة حتى استشهد لفظهم سواء)) (۲۲)

''عمر فاروق ؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء ؓ اور ابو مسعود انصاری ؓ کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: یہ کیا حدیث ہے جس کی روایت آپ لوگ کثرت سے کر رہے ہیں؟...... حضرت عمر ؓ نے ان حضرات کو مدینہ میں روایت کرنے سے منع کر دیا تھا تا آنکہ حضرت عمر ؓ کو شہادت مل گئی کہ ان سب کی روایت میں الفاظ و کلمات برابر اور یکساں ہیں''۔

خطیب بغدادی کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ ''حبس'' کے معنی صرف قید کرنے ہی کے نہیں بلکہ منع کرنے کے بھی

ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب ان تینوں کی روایت میں الفاظ متفق اور یکساں نظر آئے اور روایت میں اختلاف نہیں پایا تو ان تینوں کے لیے روایت کی ممانعت باقی نہ رہی۔ حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ کے متعلق بھی حبس کا لفظ استعمال کیا تھا جو ابن سعد کی روایت میں ہے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب معاذ بن جبل ملک شام جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے چلے جانے سے مدینہ میں فقہ اور فتویٰ دینے میں خلل ہوگا اس لیے حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول سے ان کو روکنے کے لیے کہا۔ اس روایت کی عبارت یوں ہے:

((لقد كنت كلمت ابا بكر رحمه الله أن يحبسه لحاجة الناس إليه، فأبى علي فقال: رجل أراد الجهاد يريد الشهادة فلا أحبسه))

''حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے ابوبکر صدیقؓ سے لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر معاذ بن جبلؓ کو روکنے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ جہاد اور شہادت چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں نہیں روکنا چاہتا''۔

اس عبارت میں دو جگہ ''حبس'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی قید میں ڈالنے کے نہیں ہیں بلکہ روکنے کے ہیں۔ اسی طرح تینوں صحابہ کرامؓ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کے متعلق بھی راوی نے حبس کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں بھی معنی روکنے ہی کے ہیں نہ کہ جیل میں ڈالے جانے کے۔

حضرت عمرؓ ان تینوں صحابہ کرامؓ کی قدر و منزلت کو جانتے تھے، ان کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے۔ ان کے علمی رتبے سے آگاہ تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تو کوفہ والوں کے نام خط میں ابن مسعودؓ کا اس طرح تعارف کرایا۔

''كتب إلى أهل الكوفة: إني والله الذي لا إله إلا هو، أثرتكم به على نفسي فخذوا منه'' (۲۳)

''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ابن مسعودؓ کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے تمہارے پاس بھیجنے کے لیے ترجیح دی ہے۔ تم ان سے بھرپور استفادہ کرو۔

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كنيف ملئ علماً، أثرت به أهل القادسية

''ابن مسعود وہ ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے انہیں اہلِ قادسیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا ہے''۔

ابو دالدرداءؓ بھی اپنی اعلیٰ شخصیت اور علمی خصوصیت کی بنا پر بلادِ شام میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ کیا ایسی بلند تر ہستیوں کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں کثرت روایت کی بنا پر جیل میں ڈال دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں ایسا خیال کرنا انتہائی نامناسب ہے جب کہ عمر فاروقؓ خود حدیث کی اشاعت میں بھی اسی طرح کوشاں تھے جس طرح وہ قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت میں تھے۔ وہ اپنے تمام فیصلوں میں خلیفہ اول کے طریق کار اور منہج پر عمل کرتے تھے۔ پہلے وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے اس سے ہدایت حاصل کرتے تھے اگر کسی مسئلہ میں قرآن میں حکم نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ سے بھی سنت کے احکام حاصل کرتے تھے۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ جل شانہ کا نام لے کر میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے متعلق سنا ہے؟...... حمل بن مالک نے سنا تو کھڑے ہو کر کہا: میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو خیمہ کی لکڑی سے مارا جس سے اس کا مردہ جنین ساقط ہو گیا۔ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غرۃ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں یہ حدیث نہ سنتا تو دوسرا فیصلہ کر دیتا۔

شام میں جب طاعون کی وبا پھیلی تھی حضرت عمرؓ نے مقام سرغ پر مڑ کر تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ آخر میں عبدالرحمٰن بن عوف نے جب حدیث پیش کی تو اس کے مطابق فوج کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے موزوں پر مسح کی حدیث سن کر قبول فرمایا اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو ہدایت کی:

''إذا حدث سعد بشيء فلا ترد عليه، فانّ رسول اللهﷺ كان يمسح على الخفين''

''جب تم سے سعد کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کریں تو اسے رد نہ کرو بیشک رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا ہے''۔

اس طرح کی بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ان سینکڑوں مثالوں سے جو مصادر میں موجود ہیں واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سنت نبوی ﷺ کے کس قدر دلدادہ تھے اور ان کا عمل سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہوتا تھا اور آپ سنتِ نبوی ﷺ کو صحیح طور سے رائج کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور جب ان کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی مفتوحہ ممالک میں بھی اشاعت کافی ہوگئی جس کی تصدیق امام ابن حزم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: جس وقت حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو مصر سے عراق تک اور عراق سے شام تک اور شام سے یمن تک قرآن مجید کے جو نسخے پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ قرآن کا وہ نسخہ جو عہدِ صدیقی میں مرتب کرا کے محفوظ کرلیا گیا تھا اور اس کی نقلیں اسلامی مراکز میں نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ حفاظِ قرآن سے سن کر عہدِ فاروقی میں کتاب اللہ کی اشاعت ہورہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب قرآن کی اشاعت پر اطمینان ہوگیا اور حدیث اور قرآن میں التباس کا خوف بھی نہ رہا تو حدیث کی روایت اور کتابت میں حضرت عمرؓ کا جو تشدد تھا اس میں اعتدال پیدا ہوگیا اور سنتِ نبوی ﷺ کی روایت اور ترویج میں کوشش فرمانے لگے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: خیر الهدی هدی محمّد صلی الله علیه وسلم۔ آپ نے ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله ''

''تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں شبہات ڈال کر تم سے جھگڑیں گے۔ انہیں سنن کے ذریعہ رام کیا کرو۔ اصحاب سنن کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

"تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلموا القرآن"

"فرائض اور سنت کو اسی طرح سیکھو جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو"۔

حضرت عمرؓ نے جب حدیث کی روایت اور کتابت کے ضمن میں تشدد میں کمی کر دی تو خود بھی انہوں نے حدیث لکھ کر دوسروں کے پاس ارسال کی۔

ابوعثمان نہدی کا بیان ہے: ہم عتبہ بن فرقد کے پاس تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اکرم ﷺ کی کچھ حدیثیں لکھ کر بھیجیں ان احادیث میں ایک حدیث یہ تھی:

لا يلبس الحرير في الدنيا إلا من ليس له في الآخرة من شيء إلا هكذا وقال بأصبعيه للسبابة والوسطى. (مسند إمام أحمد بن محمد بن حنبل، مسند عمرؓ)

اس سے حضرت عمرؓ کا منشا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روایت اور کتابت حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان کی نیت قرآن مجید کی عام اشاعت اور سنت کی روایت اور کتابت میں کامل احتیاط پر مبنی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی طرزِ عمل کو اختیار کیا تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تھا۔

سنت ...... عہدِ خلافتِ عثمانی میں

حضرت عثمان خلیفۂ ثالث کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ جب آپ کو اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں سے یہ اطلاع دی گئی کہ قرآن کریم کی قرأت میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور نزاع نے سخت صورت اختیار کر لی ہے تو اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ صحیفۂ قرآن منگوایا جو ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مدون و مرتب کیا گیا تھا اور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں اس کی سات کاپیاں کرا لی گئیں اور نقول کا ایک ایک نسخہ اسلامی مملکت اسلامی کے مرکزی مقام کو روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ اس صحیفہ کے مطابق عمل کیا جائے جس سے لوگوں

کے اختلافات ختم ہو گئے۔ حضرت عثمان ؓ نے بھی کثرت روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمر ؓ کے طریقے پر چلنے کی کوشش کی۔ محمود بن لبید کہتے ہیں میں نے حضرت عثمان ؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: ''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث روایت کرے جسے میں نے عہد ابوبکر ؓ اور عہدِ عمر ؓ میں نہ سنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں مجھے یہ امر مانع نہیں ہے کہ میں آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں زیادہ حافظِ حدیث نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا''۔

لیکن اس خیال سے کہ حدیث کا ذخیرہ صحابہ کرام ؓ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ذخیرہ فنا ہو جائے گا آپ ؓ نے حدیث کی روایت اور کتابت میں نرمی اختیار کی۔ آپ کے نرم طریقہ اختیار کرنے سے صحابہ کرام ؓ حدیث کی روایت زیادہ کرنے لگے۔ دوسری طرف منافقین کو بھی من گھڑت روایات پھیلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ حمیر کا یہودی عبداللہ ابن سبا مسلمانوں کے بھیس میں کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ کی اسلامی فوجی چھاؤنیوں میں کثرت سے آنے جانے لگا۔ جہاں قبائل عرب کے بدوی فوج میں داخل تھے اور رسول اللہ ﷺ کے شرف دیدار سے محروم تھے اس لیے وہ حدیثِ نبوی ﷺ سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی سے حضرت عثمان ؓ کی شہادت ۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ حضرت عثمان ؓ نے منبر پر جو خطبہ دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علم میں دوسرے صحابہ کرام ؓ سے واقفیت میں کم نہ تھے۔ مگر بہ نظر احتیاط وہ بہت کم روایت کرتے تھے تاہم دوسرے صحابہ کرام ؓ ان کے پاس آتے اور حدیث نبوی ﷺ سناتے اور حضرت عثمان سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری، حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں اجازت لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے قریب بیٹھے ہوئے حضرت کعب ؓ سے پوچھا: کعب! عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مال چھوڑا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟...... کعب ؓ نے کہا: اگر وہ اس مال میں اللہ جلّ شانہ کا حق (زکوٰۃ) ادا کرتے تھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوذر غفاری ؓ نے اپنی لاٹھی حضرت کعب کی طرف بڑھائی اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''میں اس بات کو پسند نہیں رکھتا کہ اس پہاڑ کے برابر سونا میرے پاس ہو جائے اور میں

اسے خرچ کر دوں اور وہ مقبول بھی ہو جائے اور میں اس سونے میں سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں آپ کو اے عثمان! اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟...... حضرت ابوذر نے تین دفعہ پوچھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے''۔

عہدِ خلافت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو خصوصیت اور قربت رسول اللہ ﷺ سے تھی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت حق کے اعلان پر کم سن افراد میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ابتدائے نبوت سے آپ کی وفات تک برابر ساتھ رہے اور ہر معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے محبوب ترین فرد تھے۔ اس لیے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع بہت زیادہ ملا اور آپ ﷺ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احادیث کی سماعت بہت زیادہ فرمائی جن کو آپ نے محفوظ رکھا۔ جب آپ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے شدید اختلاف کی وجہ سے اسلامی مملکت کا ایک بڑا علاقہ مصر اور شام کا آپ کی حدودِ خلافت سے کٹ گیا تھا، تاہم اسلامی مملکت کے بڑے حصہ پر آپ کی خلافت قائم ہوگئی جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت عدل و انصاف سے نظم قائم رکھا اور خانہ جنگیوں کے باوجود عادلانہ احکام میں فرق نہ آنے دیا۔ قرآنِ کریم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حدیثِ نبوی ﷺ کی ترویج کی طرف بھی توجہ فرمائی کیونکہ آپ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ حدیث کی تدوین ہنوز نہیں ہوئی ہے اور یہ ذخیرہ حدیث زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات پا جانے کے بعد یہ خزانہ مٹ جائے گا اس لیے آپ نے بجائے سختی کے حدیث کی روایت اور کتابت کی حوصلہ افزائی فرمائی

تا کہ صحابہ کرام ؓ کے ذریعہ حدیث کی تعلیم کی رفتار تیز ہو اور خود بھی علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی۔ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے:

''ایک دن (کوفہ) میں حضرت علی ؓ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران آپ ؓ نے فرمایا: ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے؟...... حارث اعور ایک درہم دے کر کچھ کاغذ خرید لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علی ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی ؓ نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم (احادیث) لکھایا''۔

حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے پاس حضرت علی ؓ کی حدیثوں کا مجموعہ تھا۔ عبدالأعلی بن عامر کے ترجمہ میں علماء رجال نے لکھا ہے:

"کل شيء روى عبدالأعلی عن إبن الحنفية، إنما هو کتاب أخذه ولم يسمعه"

''عبدالاعلیٰ جو کچھ روایت محمد بن حنفیہ سے کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی اور عبدالاعلیٰ نے براہِ راست محمد بن الحنفیہ سے ان روایات کو نہیں سنا تھا''۔

بہ ظاہر اس روایت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابن الحنفیہ کے پاس احادیث کا جو مجموعہ تھا اسے خود حضرت علیؓ نے لکھا تھا اور یا اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو لکھوا دیا تھا۔

حضرت علی ؓ کے رویہ کی وجہ سے جہاں صحابہ کرام ؓ کو روایت اور کتابتِ حدیث کا پورا پورا موقع ملا وہاں ان لوگوں نے جو بہ ظاہر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور حقیقتاً مسلمانوں کے دشمن تھے اس موقع سے غلط فائدہ اٹھایا اور من گھڑت روایات خوب زور وشور سے پھیلانے لگے۔ ان لوگوں نے روایات کو کبار اور محترم صحابہ کرام ؓ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی ؓ نے ان حالات کے پیش نظر اپنے ایک خطبہ میں لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

''میں ہر اس شخص سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں جس کے پاس کوئی مخطوطہ ہو کہ وہ واپس جا کر اسے مٹا دے۔ لوگ اسی لیے تباہ و برباد ہوتے تھے کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کے اقول کی پیروی کی اور اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ دیا''۔ (الأستاذ عجاج الخطیب۔ السنۃ قبل التدوین۔ ص ۳۱۴)

بعد میں احتیاط کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی سے حدیث نبوی ﷺ سنتے تو اس سے قسم لینے کے بعد اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے:

''میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ جتنا نفع اس سے دینا چاہتا تھا، دیتا تھا۔ اور جب کوئی دوسرا شخص حدیث نبوی ﷺ مجھ سے بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا جب وہ قسم کھاتا تو میں اس حدیث کی تصدیق کرتا تھا''۔

(ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم۔ تاویل مختلف الحدیث۔ ص ۳۹)

منافقین اور دشمنانِ اسلام نے موضوع احادیث کا جو طوفان اٹھایا تھا اس کے مٹانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کوششیں شروع کی تھیں وہ یقیناً بار آور ہوتیں۔ مگر انہی لوگوں نے ۴۰ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ تاریخِ اسلام کا بڑا سخت المیہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ لیکن آپ کے بعد دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت یافتہ تلامذہ جوق در جوق ہر اسلامی شہر میں تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر علم و فضل کے جلیل القدر مناصب پر فائز تھے وہ سب کے سب آگے بڑھے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی ترویج و اشاعت میں منہمک ہو گئے اور وضاعین کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور ایک ایک موضوع روایت کو جرح و تعدیل کے اصول کی چھلنی سے چھان کر پھینک دیا۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ صحیح مسلم، باب التثبت فی الحدیث۔ کتاب الزھد والرقائق، اس روایت کوخطیب بغدادی نے ''تقیید العلم'' میں کتابت حدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے اوراس پر تفصیل کے ساتھ تعلیق کی ہے۔

۲۔ الجامع للامام الترمذی۔ ج۲،ص۱۰۷

۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی۔ تدریب الراوی۔ ص۲۸۶

۴۔ حافظ ابن عبدالبر۔ جامع بیان العلم للامام ابن عبدالبر، ج۱،ص۷۲۔

۵۔ المستدرک للامام الحاکم ، الصحابۃ ج۳،ص۵۷۴

۶۔ سنن ابوداؤد۔ ج۲،ص۵۱۳

۷۔ جامع بیان العلم وفضلہ۔ ج۱،ص۷۲

۸۔ الجامع للامام الترمذی ج۲،ص۱۰۷
الصحیح للامام البخاری، ج۱۔ص۲۲

۹۔ سیرت ابن ہشام

۱۰۔ السنن للامام النسائی۔ ج۲،ص۲۵۲

۱۱۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والداری فی کتاب الرھن

۱۲۔ رواہ البخاری ____ کتاب الزکوۃ۔

۱۳۔ رواہ الصحاح

۱۴۔ رواہ البخاری۔ باب وجوب الزکاۃ

۱۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ۔ ج۱،ص۲۴

۱۴۔ تاویل مختلف الحدیث۔ ص۴۸، ۴۹

۱۵۔ تاویل مختلف الحدیث۔ ص۴۸۔

۱۶۔ سنن ابن ماجہ۔ ص۹۔

۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱، ص ۷۔

۱۸۔ جامع بیان العلم وفضلہ۔ ج ۲، ص ۱۲۱۔

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرہ عبداللہ بن مسعود۔

۲۰۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی۔ ص ۱۳۳۔

۲۱۔ سیر اعلام النبلاء۔ ج ۲، ص ۴۳۴۔

۲۲۔ شرف اصحاب الحدیث۔ ص ۹۷۔

۲۳۔ سیر اعلام النبلاء۔ ج ۱، ص ۳۵۱۔